۱۸

اسلام کا نظامِ احتساب

شریعة اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۱۸)

اسلام کا نظام احتساب

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ☆ اسلام آباد

اسلام کا نظام احتساب

تالیف:	شہزاد اقبال شام
نظر ثانی وراہ نمائی:	۱۔ جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان ۲۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن ۳۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی
نگران شعبہ مطالعہ اسلامی قانون:	ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں
نگران منشورات:	ڈاکٹر اکرام الحق یسین
ناشر:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
طابع:	اظہار پرنٹرز۔۹، ریٹی گن روڈ لاہور
طباعت	اوّل: ۱۹۹۳ء ، دوم: ۱۹۹۶ء ، سوم: ۲۰۰۲ء چہارم: ۲۰۰۳ء ، پنجم: ۲۰۰۶ء
قیمت:	۳۰ روپے

فہرست مضامین

۱۔ تمہید ۱
۲۔ انسانی تعلقات اور اسلامی شریعت ۱
۳۔ محتسب اور اسلام کا نظام سلطنت ۲
۴۔ احتساب کی تعریف ۳
۵۔ قرآن و سنت میں احتساب کا تصور ۴
۶۔ عہد رسالت میں احتساب کا نظام ۵
۷۔ عہد صدیقی میں احتساب کا نظام ۶
۸۔ عہد فاروقی میں احتساب کا نظام ۷
۹۔ اسلام کے نظام احتساب کے چند امتیازی خصائص ۹
۱۰۔ احتساب اور قضاء کا باہمی تعلق ۱۰
۱۱۔ محتسب کی صفات ۱۲
۱۲۔ محتسب کا دائرہ اختیار اور ذمہ داریاں ۱۳
(۱) نیکی کا حکم دینا ۱۳
(۲) برائی سے روکنا ۱۴
۱۳۔ اسلامی نظام احتساب کا ایک اہم امتیازی وصف ۱۵
۱۴۔ موجودہ دور میں احتساب' کیوں اور کیسے؟ ۱۶
۱۵۔ چند تبدیلیوں کی ضرورت ۲۰
۱۶۔ مزید مطالعہ کے لیے ۲۲
۱۷۔ حواشی و حوالہ جات ۲۳
۱۸۔ مصادر و مراجع ۲۳

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا، بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو، سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی، امام رازی، امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی، یعنی فلسفہ، منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک، آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی نسبتاً زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی، دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں، لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں، کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل، ایک فکری تبدیلی، ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی

انقلاب سے عبارت ہے۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی، دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی ماخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں، جن کو رائج الوقت قانونی، دستوری، اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو، جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اور اسلامی تعلیم کے مراکز میں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کا ہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ ملک میں نفاذ اسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشر و اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصر مدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء، طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کر دیں گے۔

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

احتساب کا تعلق اسلام کے نظام عدل سے ہے۔ حسبہ یا نظام احتساب اسلامی ریاست کی انتظامی مشینری میں ایک نیم عدالتی ادارہ شمار ہوتا ہے جس کی اہمیت گزشتہ ادوار میں جتنی تھی آج اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ زیر نظر یونٹ مطالعہ اسلامی قانون کا اٹھارہواں یونٹ ہے جس میں اسلامی ریاست کے اہم ادارے ----نظام احتساب---- کا تعارف پیش خدمت ہے۔

یونٹ کی ابتداء میں احتساب کے بارہ میں بعض ابتدائی باتیں بیان کی گئی ہیں اس کے بعد اسلامی نظام سلطنت میں محتسب کے مقام کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ احتساب سے مراد کیا ہے اور اس کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ احتساب کے بارہ میں قرآن و سنت کی اساسی تعلیمات کی روشنی میں احتساب کا تصور اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس ادارے کے تاریخی ارتقاء کا ایک جائزہ لیا گیا ہے جس کا آغاز عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔ اس دور میں دوسرے بہت سے اداروں کی طرح احتساب کا ادارہ بھی محض اصولی ہدایات یا کچھ ابتدائی انتظامی عہدوں سے عبارت تھا لیکن آگے چل کر انہی اساسی ہدایات پر اسلامی ریاست کی مختلف حکومتوں نے ایک اہم ادارے کی داغ بیل ڈالی جس کی ضیاء پاشیاں آج جدید انداز میں اور نئے ناموں سے نوع انسان کو مستنیر کر رہی ہیں۔ مختصر تذکرہ عہد صدیقی کا بھی ہے کہ جس میں داخلی شورشوں کے باعث ریاستی ارتقاء وسعت اختیار نہ کر سکا۔ عہد فاروقی میں حسبہ کے ادارے نے ایک باقاعدہ انسٹیٹیوشن کی شکل اختیار کی جس بارہ میں ذرا تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

بحث کو سمیٹتے ہوئے اسلام کے نظام احتساب کے چند امتیازی خصائص کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے احتساب اور قضاء دو اہم ادارے ہیں جن کے اختیارات ایک دوسرے سے کہیں مماثل ہیں اور کہیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں' اس لیے ضروری تھا کہ ان دونوں کا فرق بھی واضح کر دیا جائے۔ محتسب کی صفات' اس کا دائرہ اختیار اور ذمہ داریاں بھی اس سلسلے کی ایک مختصر بحث ہے۔ جس کے بعد عہد جدید میں نظام احتساب کی مختلف النوع شکلوں کی جائزہ لیا گیا ہے۔ آخر میں مزید مطالعہ کے لیے بعض مفید کتب کی نشاندہی شامل ہے۔

جدید ریاستی نظام میں انتظامیہ نے بڑی وسعت اختیار کر لی ہے جس پر عملاً نہ پارلیمنٹ کا کوئی بس چلتا ہے اور نہ اس پر عدالتی طریق کار کے ذریعے کوئی موثر نگرانی ممکن ہے۔ اگرچہ یہ دونوں ادارے اپنی بساط کی حد تک اپنے فرائض کی انجام دہی کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ضروری ہے کہ انتظامیہ کی نگرانی اور راہنمائی کے لیے کئی ادارے ہوں۔ کئی مغربی ممالک نے پارلیمانی کمیشن اور اومبڈس مین کے نام سے ادارے قائم کر کے اس ضمن میں مفید اضافے کیے ہیں' لیکن یہ اضافے اسلامی ریاست کے اس اساسی تصور سے ابھی خاصے دور ہیں جسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی وہ

تصور ہے جس پر محتسب کا ادارہ قائم ہے۔

ماضی کے دھندلکوں میں چھپے ہوئے ان تصورات کو نکال کر نوع انسان کے سامنے نئے انداز اور نئے اسلوب میں پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ شریعہ اکیڈمی نے یہ ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ اس میں ہم کسی حد تک کامیاب ہوئے ہیں، اہل علم اس بارہ میں ہمیں اپنی رائے سے نوازیں تو ہم اپنے کاموں میں بہتری پیدا کر سکتے ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے کاموں میں برکت ڈالے۔ آمین

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۶ جمادی الاخر ۱۴۱۸ھ
۹ اکتوبر ۱۹۹۷ء

تمہید

انسانی معاشرے میں افراد کے باہمی تعلق کی نوعیت مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ کہیں فرد کا فرد کے ساتھ تعلق ہے تو کہیں فرد کا تعلق کسی ریاستی ادارے یا خود ریاست سے ہوتا ہے، فرد کا فرد کے ساتھ تعلق کئی شکلوں میں ہو سکتا ہے۔ کسی موقع پر دو انسانوں کا رابطہ گاہک اور دکان دار کا سا ہو سکتا ہے۔ کبھی یہ رشتہ افسر اور ماتحت کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رابطہ معاشرتی ہو، جیسے میاں بیوی کا رشتہ یا کئی دوسرے رشتے۔ تعلقات کی ان متنوع شکلوں پر سیر حاصل گفتگو بارہویں باب "اسلام کا تصور معاہدہ" میں کی جا چکی ہے۔

انسانی تعلقات اور اسلامی شریعت

تمام انسانی تعلقات کو ٹھیک ٹھیک اور کماحقہ اپنی اپنی جگہ پر رکھنے کے لیے اللہ حکیم نے شریعت وضع کی جس میں فرد کے فرد کے ساتھ تعلق، فرد کے حقوق، فرد کے ذمہ کچھ فرائض، یہ سب کچھ انسانوں کو قرآن و سنت میں تفصیل کے ساتھ بتا دیا گیا۔ شوہر کو بیوی کے حقوق (**ولزوجک علیک حق**)[۱] یعنی تم پر تمہارے جوڑے (رفیق زندگی) کا بھی حق ہے) اور حتیٰ کہ ایک انسان کو اس کے جسم کے حقوق بھی بتا دیئے گئے (**ولجسدک علیک حق**) [۲] یعنی تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے)۔

انسان کے تصرف میں آنے والے حیوانات کے حقوق بھی شریعت نے متعین کر دیئے ہیں۔ ان کے ساتھ نرم برتاؤ کا حکم دیا گیا۔ ان کو بلاوجہ ایذا دینے سے منع کیا گیا۔ انسان کے قبضہ قدرت میں آنے والا مال و دولت بھی اس کے لئے امانت قرار دیا۔ یہ مال و دولت خرچ کرنے کے اسلوب بھی بتائے گئے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو کسی بھی حسی یا غیر حسی شے سے تعلق قائم ہونے تعلقات نباہنے کے لیے مکمل راہ نمائی فراہم کی گئی ہے تاکہ اس تعلق کو بہترین طریقے سے نباہا جا سکے۔

راہ نمائی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ یہ التزام بھی کیا کہ اگر انسان کبھی کوتاہی، مجبوری، بدنیتی، غفلت یا لاعلمی کی بنا پر ان ہدایات سے انحراف کرے، یا معیار مطلوب تک نہ پہنچ سکے۔ تو اس کوتاہی، مجبوری، بدنیتی، غفلت یا لاعلمی کے حجم ہی کے برابر تلافی کا سزاوار ہو۔ یا کم از کم اس کی سرزنش کی جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شریعت اسلامی نے کئی ادارے وضع کئے ہیں۔ یہ ادارے اپنے فرائض کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں لیکن ان کے قیام کا مقصد وہی ہے جو ہم نے گزشتہ سطور میں بیان کیا ہے۔ ان اداروں میں سے اولین اور سب سے اہم ادارہ تو وہ معروف نظام ہے جسے نظام عدل کہا جاتا ہے لیکن معروف عدالتی نظام سے ہٹ کر

اسلامی شریعت میں بعض ایسے ادارے بھی ہیں جنہیں ہم نیم عدالتی ادارے کہہ سکتے ہیں۔

جیسے افتاء کا ادارہ سائل کے سوال کرنے پر درست شرعی حکم تو بتا دیتا ہے لیکن اسے اپنے حکم کی تنفیذ کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح تحکیم--- ثالثی--- کے ذریعے بھی عدل ممکن ہے۲ لیکن ثالث کو مکمل عدالتی اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ وہ اپنے حکم کو بالجبر نافذ کرانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ عدل کے حصول کے لیے موجودہ دور کی کھلی کچہری سے ملتا جلتا ایک نظام "ولایت مظالم" بھی شریعت میں ملتا ہے۔ یہ بھی ایک نیم عدالتی ادارہ ہے۔ عدل ہی کے قیام کے لیے ہمارے پاس احتسابی عمل بھی ہے جو بعض عدالتی اختیارات سے معمور ہے لیکن نظام احتساب اور نظام عدل میں واضح فرق ہے جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔

محتسب اور اسلام کا نظام سلطنت

اسلام کا نظام احتساب ہمہ پہلو ہے۔ ایک وقت میں ہم محتسب میں اسلام کی دعوت دینے والے نرم خو داعی کا کردار دیکھتے ہیں۔ وہی محتسب کسی دوسرے موقع پر ہمیں ایک عادل و منصف کے روپ میں نظر آتا ہے۔ کبھی اس کو ہم ریاست کے اس نمائندے کے طور پر دیکھتے ہیں جو کسی شہر میں کوتوال کے فرائض سرانجام دے رہا ہوتا ہے اور جس کا چہرہ جذبات سے عاری ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت محتسب ہمیں انسداد بے رحمی حیوانات کے ادارے کے ایک ذمہ دار افسر کی شکل میں نظر آئے جو جانوروں سے بے رحمانہ سلوک پر تڑپ اٹھتا ہو۔

جدید دور میں کسی ریاست کی پولیس جن اختیارات سے متصف ہوتی ہے' تقریباً وہی اختیارات محتسب کی ذات میں بھی مرتکز ہوتے ہیں۔ محتسب ایک اعتبار سے عدالتی اختیارات بھی رکھتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دور جدید میں اسلامی شریعت اپنی مکمل حالت میں کسی بھی خطہ ارض پر نافذ نہیں ہے۔ اور جو شے کسی معاشرے میں نافذ یا جاری وساری نظر نہ آئے اس کی تفہیم عام آدمی ہی کے لیے نہیں اچھے خاصے دانش مند انسان کے لیے بھی مشکل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شخص جسے شریعت احتساب کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے مقرر کرتی ہے' اسے موجودہ دور میں OMBUDSMAN کا ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔ جزوی طور پر محتسب اور اومبڈزمین کے اختیارات اور فرائض میں ہمیں جا بجا اشتراک نظر آتا ہے لیکن ان دونوں کے اختیارات و فرائض میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ جدید دنیا کا اومبڈزمین لوگوں کی دادرسی کے لیے مقرر کیا جاتا ہے جب کہ اسلامی ریاست کا محتسب بنیادی طور پر احکام الٰہی کے تابع رہ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مامور ہوتا ہے۔ اس ذمہ داری کے نباہنے پر عامۃ الناس کی دادرسی خود بخود ہو جاتی ہے۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ اومبڈزمین ریاست کا نمائندہ ہوتا

ہے۔ اس کے فرائض میں ریاستی اداروں کو ان کے اپنے درست مقام پر رکھنا شامل ہے۔ دوسری طرف اسلامی ریاست کا محتسب ریاستی نظام کو ٹھیک رکھنے کا فریضہ ثانوی طور پر اس طرح ادا کرتا ہے کہ اس کے اولین فرائض کے ادا ہوتے ہی ریاستی نظام خود بخود ٹھیک رہتا ہے۔ امربالمعروف و نہی عن المنکر کے کام پر مامور ہونے کی وجہ سے وہ اپنے بہت سے امور میں ریاستی حکام اور عوام الناس کے ساتھ ساتھ براہ راست اللہ تعالیٰ کو بھی جواب دہ ہے۔ اللہ کو جواب دہی کا یہ احساس اس کے فرائض کی انجام دہی میں مہمیز کام دیتا ہے۔ جدید زمانے کا محتسب اس احساس سے عاری ہے۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ اومبڈزمین کسی کی شکایت کا ازالہ اسی وقت کرتا ہے جب کوئی اس کے پاس شکایت لے کر آئے لیکن محتسب صرف خبر ملنے پر فوری کارروائی کا مجاز ہے۔ اسے شکایت کنندہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ برائی کے خلاف خود شکایت کنندہ ہی نہیں اس کا قلع قمع کرنے والا بھی ہے۔

محتسب کے فرائض میں بسا اوقات پولیس کے اختیارات استعمال کرنا بھی شامل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں کے فرائض اور کام کی نوعیت میں بھی فرق ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ پولیس کے فرائض کا دائرہ ایک خاص مفہوم میں قانون نافذ کرنے والے ادارہ کا سا ہے جب کہ احتساب کا نظام ہمہ گیر ہے۔ جس میں پولیس کے اختیارات بھی شامل ہیں۔

احتساب کی تعریف

اردو میں لفظ "احتساب" جس مفہوم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے عربی میں اس کے لیے باقاعدہ اصطلاح "حسبہ" ہے۔ حسبہ کا لفظ خالصتاً اصطلاحی ہے اور احتساب کا لفظ عربی میں دوسرے معانی کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ جیسے کوئی عرب، دو افراد کا موازنہ کر کے ایک کو دوسرے پر فوقیت دینا چاہے تو وہ اس مفہوم کو یوں ادا کرتا ہے "**فلان لا یحتسب بہ**" فلاں اس کے مقابلے میں کسی شمار (حساب) میں نہیں۔

بنیادی طور پر لفظ احتساب، حسب سے مشتق ہے جس کے معنی شمار کرنا ہے۔ لفظ حساب بھی اسی سے نکلا ہے۔ اسی طرح الحاسب، حساب دان کو کہتے ہیں۔

اب ذرا غور کیجئے کہ لفظ احتساب میں وہی صوتی ترکیب ملتی ہے جو اجتہاد میں پائی جاتی ہے۔ یوں ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ احتساب اور اجتہاد دونوں ایک ہی باب سے متعلق ہیں۔ اور یہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ اجتہاد باب افتعال کے وزن پر ہے جس میں دوسرے مفاہیم کے ساتھ ساتھ طلب کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اب یہ کہنے کے لیے آسانی پیدا ہو گئی ہے کہ لفظ احتساب میں حساب طلب کرنے کامفہوم ملتا ہے۔ پس محتسب وہ شخص ہے جو

لوگوں سے ان کاموں کے بارے میں حساب طلبی پر مامور ہو جن سے لوگوں کو روکا گیا ہو' یا کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔

قرآن و سنت میں احتساب کا تصور

اسلامی شریعت میں احتساب ایسی اصطلاح ہے جس میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے حکماً" روکنے کے معانی شامل ہیں۔ اس کام کو "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کہا جاتا ہے جس کے معنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہیں۔ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔ بنیادی طور پر ہر مسلمان اس کا مکلف ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔(حج' ۲۲:۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔

قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(آل عمران' ۳ :۱۰۴)

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے' اور اچھے کام کرنے کا حکم دے' اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ایک عمومی تصور ہے جو مختلف شکلوں میں ہر مسلمان پر کسی نہ کسی حد تک ہر حال میں فرض ہے جیسا کہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان[۳]

تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹادے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے (برا کہے) اور اگر ایسا نہ کر سکے تو دل سے (برا سمجھے)' اور یہ ایمان کا کمزور ترین حصہ ہے۔

یہ درست ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر مسلمان کا فرض ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ نیکی کا حکم دینے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اسی طرح برائی بھی اپنے حجم کے اعتبار سے مختلف حالتیں اختیار کرتی رہتی ہے۔ جو کبھی تو محض فرد کے روکنے سے ختم ہو جاتی ہے اور کبھی اس کے خاتمے کے لیے پوری جماعت اور اجتماعی سوچ درکار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نیکیاں اور برائیاں جن کا حکم دینا' روکنا یا ان کے بارے میں فیصلہ کرنا فرد کی استطاعت یا دسترس سے باہر ہو' ان کے بارے میں اسلامی ریاست کے اندر ایک باقاعدہ نظام موجود ہے جسے اسلام کا نظام احتساب یا "حسبہ" کہتے ہیں۔ احتساب کے کام پر مامور شخص کو اصطلاحی معنوں میں محتسب کہتے ہیں وہ سرکاری نمائندہ ہوتا ہے اور سرکار اس کے فرائض کی انجام دہی کے لیے اس کی پشت پر ہوتی ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ فرد کے اختیار سے باہر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ محتسب کے ذمہ ہے۔

عہد رسالت میں احتساب کا نظام

مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد جملہ اختیارات کا ارتکاز رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی میں تھا۔ وہ معاشرے کے مصلح بھی تھے اور سپہ سالار بھی' اخلاقیات کا درس دینے والے بھی تھے اور اخلاقی قدروں کو پامال کرنے پر سرزنش کرنے والے اور موقع کے مطابق سزا دینے والے بھی۔ ریاست کا نظام عدل ہو یا احتساب کا نظام' ہر ادارہ تمام معاشرتی اصولوں اور قوانین کی جانچ پرکھ اور مزید قانون سازی کے لیے آپ ہی کا محتاج تھا۔ یہی وجہ ہے کہ احتساب کا نظام' جس میں پولیس کی خدمات شامل ہیں' آپ ہی کی ذات کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ کتب حدیث اور تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اس دور میں پولیس' احتساب یا شرطہ نام کا کوئی باقاعدہ ادارہ موجود نہ تھا۔ افراد کو دی گئی اخلاقی تربیت کے نتیجہ میں یا معاشرتی مزاج کی وجہ سے مدینہ کے باشندے جب کوئی ناپسندیدہ فعل سرزد ہوتے دیکھتے تو متعلقہ شخص کو رسول اللہ کے پاس لے آتے۔ آپ واقعہ کی نوعیت کے مطابق احکام صادر کرتے۔ سزا کی ضرورت ہوتی تو صحابہ کرام کو حکم دیتے کہ سزا نافذ کی جائے۔ صرف وعظ و تلقین سے کام نکل سکتا تو اس کے لیے آپ مناسب ہدایات دیتے۔ آپ خود بھی مدینہ کے بازاروں میں گشت کرتے۔ ایک دفعہ آپ نے بازار میں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ ایک دکان پر گندم کا ڈھیر بکنے کے لیے پڑا ہوا ہے۔ ڈھیر کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اندر کی گندم گیلی تھی۔ معلوم ہوا کہ دکان دار نے یہ کام اس لیے کیا کہ گندم کا وزن بڑھ جائے اور خراب گندم بک جائے۔ اس مشاہدے پر آپ نے فرمایا کہ "جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے"[۴]۔

سزاؤں کے ضمن میں آپ کے دور میں معمولی سرزنش، مار پیٹ اور کوڑے مارنے کی سزا سے لے کر سنگسار کرنے کی سزا تک ثابت ہے۔ اس دور کے نظام احتساب کو اختصار سے بیان کیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ نیکی کے فروغ اور برائی کے سدباب کے لیے آپؐ خود بازاروں میں گشت کرتے اور موقع و محل کے مطابق احکام صادر کرتے تھے۔ یہ احکام محض احکام نہ سمجھے جاتے بلکہ یہ دعوت و تربیت کے مختلف اسلوب تھے۔

۲۔ سزاؤں میں قید کی سزا دینا بھی آپؐ سے ثابت ہے جس کی صورت مسجد کے ستونوں سے باندھ دینا ہوتی تھی۔ یہ انتہائی سزا تھی جو بہت کم اور ناگزیر مواقع پر دی جاتی تھی۔

۳۔ سنگین جرائم کی صورت میں حدود کا اجراء بھی کرتے اور سخت تعزیری سزائیں بھی دیتے تھے۔ اس کام کے لیے آپ نے قیس بن سعد بن عبادہؓ کو مقرر کر رکھا تھا جنہیں یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی کو محبوس کریں، ماریں یا گرفتار کریں۔

۴۔ صحابہ کرام کسی کو ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب کرتے دیکھتے تو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آتے جو مناسب فیصلہ کرتے۔

۵۔ مجرموں کی گردنیں اڑانے کے لیے آپ نے حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ، محمد بن مسلمہؓ، عاصم بن ثابتؓ اور ضحاک بن سفیان کلابیؓ کو مامور کر رکھا تھا۔

ثابت ہوا کہ عہد رسالت میں احتساب کا نظام اس شکل میں موجود نہ تھا جیسے خلافت راشدہ کے دور میں اور بعد کے ادوار میں وضع ہوا۔ بلکہ احتساب سے متعلق بعض معاملات مثلاً گشت کا فریضہ آپؐ خود ہی ادا کرتے۔ بعد میں جب اسلامی ریاست مدینہ شہر کی حدود سے نکل کر باہر تک پھیل گئی تو آپ نے کچھ اور اصحاب کو اس کام پر مامور کیا۔ اسی طرح عدل قائم کرنے کے لیے منصب قضاء مدینہ کی حد تک خود آپؐ ہی کے پاس رہا۔ باقی علاقوں کے لیے آپ نے بعض دوسرے اصحاب کو مقرر کیا ہوا تھا۔ عدالتی فیصلے نافذ کرنے کی ذمہ داری کئی دوسرے اصحاب کو سونپی گئی تھی۔

عہد صدیقی میں احتساب کا نظام

حضرت ابوبکرصدیقؓ بھی آپ ﷺ کی طرح بازاروں میں گشت کرتے اور موقع پر اصلاح احوال کرتے۔ اس حد

تک تو رسول اللہ ﷺ کے نظام احتساب کو انہوں نے برقرار رکھا۔ ایک تبدیلی جو آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی وہ یہ تھی کہ منصب قضاء انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ اس طرح اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ قاضی کا عہدہ خلیفہ کی ذات سے الگ قرار پایا ورنہ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں زیادہ سے زیادہ اسی نظام کو قائم رکھنے کے لیے کوشاں رہے جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں رائج کیا تھا۔

اس دور حکومت میں احتساب کے نظام میں نہ صرف وسعت نہیں ہوئی بلکہ کوئی بڑی تبدیلی بھی عمل میں نہ آئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کو حکومت چلانے کے لیے بہت مختصر مدت ملی اور یہ مدت بھی ہنگامی حالات اور واقعات کے سدباب میں گزر گئی۔ آپ ریاست میں اٹھنے والے بنیادی نوعیت کے فتنوں کی بیخ کنی میں لگے رہے۔ یوں تعمیر و ترقی کے لیے آپ کو سوچنے اور عمل کرنے کے لیے زیادہ وقت نہ مل سکا۔

عہد فاروقی میں احتساب کا نظام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں نظام احتساب کو بہت وسعت حاصل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ رعایا کے عام اخلاق کا بطور خاص خیال رکھتے تھے۔ کسی ایسے فعل کی اجازت نہیں دیتے تھے جس سے اسلامی تعلیمات کی نفی ہو رہی ہوتی یا معاشرے میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا۔ آپ نے ایک دفعہ مدینہ کے ایک نوجوان کو اس وجہ سے شہر سے باہر نکال دیا کہ اس کے حسن کے چرچے شہر کی بعض نوجوان لڑکیوں کی زبانوں پر عام ہونے لگے تھے۔ اور خدشہ تھا کہ اس کے مضر اثرات دوسروں تک بھی جا پہنچیں[۵] اور یوں عام معاشرتی اخلاق زوال پذیر ہو جائے۔ ایک اور موقع پر دودھ میں پانی ملانے پر ایک شخص کا سارا دودھ ضائع کروا دیا۔ اس دور کے مطالعہ سے ہمیں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رعایا کے حقوق اور ان کے جان و مال کے تحفظ میں خاص طور پر دلچسپی لیتے تھے۔ خود کڑی نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے بعض دوسرے اصحاب کو بھی ان کاموں کے لیے مقرر کیا تھا جیسے محمد بن مسلمہ، جنہیں رسول اللہ نے مدینہ کی اسلامی ریاست کا آج کل کی زبان میں انسپکٹر جنرل پولیس مقرر کیا تھا، آپ کے دور میں بھی ان کے ذمہ یہی کام تھا کہ وہ مختلف علاقوں اور دوسرے صوبوں کا دورہ کریں اور وہاں کے علاقائی محتسبین کی نگرانی اور راہنمائی کریں اور کوئی دشواری پیش آنے کی صورت میں اسے رفع کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہمیں دو امور کا بطور خاص پتا چلتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ رعایا کی جان و مال اور بلند اخلاق کے تحفظ کے لیے ایک ایک فرد پر توجہ دیتے تھے۔ وہ صرف اصولی احکام جاری کرنے والے حکمران نہ تھے جو امن و امان قائم کرنے اور حلال و حرام کے فرق کو متعلقہ اشخاص یا اداروں کی ذمہ داری قرار دے

کر بری الذمہ ہو جائیں بلکہ ساری زندگی ان کا معمول رہا کہ جہاں کہیں برائی کا ارتکاب ہوتے دیکھا اسے ہاتھ سے روک دیا۔ افراد کی اصلاح کے ضمن میں ہمیں ان کے دور کے بہت سے واقعات ملتے ہیں ان میں سے صرف دو واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

ایک موقع پر آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کی جھولی آٹے سے بھری ہے اس کے باوجود وہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا ہے۔ آپ نے اس سے سارا آٹا چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دیا اور اس شخص سے کہا کہ اب بے شک مانگنا شروع کر۔ ضمناً اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ضروریات ادنیٰ حد تک بھی موجود ہوں تو مانگنا جائز نہیں ہے۔

ایک دفعہ عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں حکام کو اس لیے مامور نہیں کرتا کہ وہ لوگوں کو ماریں یا مال چھین لیں۔ جس کسی نے اس کے برعکس رویہ اختیار کیا تو اس افسر سے مظلوم کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ اس پر عمرو بن العاص نے سوال کیا کہ آپ حکام سے بھی قصاص لیں گے؟ حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا! ہاں میں ضرور قصاص لوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے آپ سے قصاص دلواتے دیکھا ہے۔

آپ اعلیٰ سرکاری حکام اور حکومت کے دیگر ملازمین کی سخت نگرانی کرتے اور ان کے جملہ معاملات پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ احتساب سے قبل ان کے بارے میں اپنے ذرائع سے خفیہ معلومات حاصل کرتے۔ کسی شخص کو کلیدی عہدے پر مقرر کرنے سے پہلے اس کے اثاثوں کی مکمل تفصیل احاطہ تحریر میں لے آتے۔ عہدے پر تقرری کے بعد ان اثاثوں کی جانچ پڑتال اور ان کا آپس میں موازنہ کرتے رہتے۔ اگر یہ شک گزرتا کہ اس نے مال سرکاری حیثیت میں جمع کیا ہے تو سخت گرفت فرماتے۔

مالی امور کے علاوہ حکام کی دوسری ذمہ داریاں بھی ان سے پوری طرح ادا کرواتے تھے۔ جس علاقے کے لیے عامل مقرر کیا جاتا اس کے مریضوں کی عیادت تک عامل کے ذمہ ہوتی تھی۔ عیادت نہ کرنے پر وہ اس عامل کو معزول کر دیتے تھے۔ انہوں نے حکام اور عوام کے درمیان تمام فاصلوں کی سخت ممانعت کر رکھی تھی۔ مصر کے عامل کے بارے میں شکایت ملی کہ اس نے اپنے گھر پر دربان رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو مصر بھیجا اور کہا کہ انہیں جس حالت میں بھی پاؤ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ جب مصر میں اس عامل کے گھر پہنچے تو دربان کو موجود پایا۔ وہ عامل کو اپنے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے والی مصر کی نفیس قمیض اتروا کر موٹے اون کا کرتا پہنا دیا اور بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ اور لاٹھی دی کہ جاؤ' اب تم اس گلے کی نگرانی کرو۔ بعد

میں اس عامل کو اس شرط پر بحال کر دیا کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا[۸]۔

اسلام کے نظام احتساب کے چند امتیازی خصائص

بعد کے ادوار میں جب اسلامی ریاست کے شعبوں میں زیادہ باقاعدگی سے دفتری نظام چلنا شروع ہوا تو اس نظام میں بھی مزید وسعت پیدا ہوئی۔ احتساب کا فریضہ انجام دینے والوں کی درجہ بندی ہوئی' قاضی کی کئی ذمہ داریاں محتسب کے حوالے کر دی گئیں۔ اسی طرح ابتداء میں قاضی' محتسب اور شرطہ (پولیس) کے افسر اعلیٰ کا الگ الگ تصور نہ تھا۔ یہ تصور بعد کے ادوار میں داخل ہوا جب ان عہدے داروں کے کام کی نوعیت واضح شکل اختیار کر گئی تو ان کے فرائض کی نوعیت بھی بدل گئی۔ قاضی صرف اسی صورت میں فریقین کے درمیان فیصلہ کرتا تھا جب اس کے پاس فریادی شکایت لے کر آتا' محتسب کے لیے ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ وہ کسی فریادی کی شکایت کے بغیر بھی کارروائی کرنے کا مجاز تھا۔ محتسب کے ذمہ عام طور پر مندرجہ ذیل امور رہے ہیں۔

۱۔ ناپ تول میں کمی بیشی اور منڈیوں کے دیگر معاملات۔

۲۔ خرید و فروخت میں دھوکا' ملاوٹ اور ہیر پھیر سے متعلق معاملات۔

۳۔ ایسے معاملات جن میں کوئی شخص استطاعت رکھنے کے باوجود اپنے ذمہ واجب الادا قرض لوٹانے میں پس و پیش کر رہا ہو۔

ان امور میں محتسب کو قاضی کی طرح یہ عدالتی اختیار تو حاصل تھا کہ وہ مدعا علیہ کو طلب کرے مگر اسے یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ کسی ایسے معاملہ کی سماعت کرے جہاں مدعا علیہ اپنے خلاف لگائے گئے الزام سے انکار کرے۔ اور اس کے خلاف کوئی ایسا ثبوت بھی نہ ہو جو اس کے خلاف جرم کی قطعیت ثابت کر دے۔ ایسی صورت میں مقدمہ قاضی کی عدالت میں بھیج دیا جاتا تھا۔ جہاں عام عدالتی طریق کار کے مطابق فیصلہ ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ محتسب سرسری سماعت کے بعد معاملہ نمٹا دیتا تھا۔ اسلامی نظام عدل میں قاضی کسی دعویٰ کے بغیر از خود فیصلے بھی نہیں کر سکتا۔ وہ از خود امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا۔ وہ اپنی ذاتی حیثیت میں ایک عام مسلمان کی طرح ایسا کرنے کا مجاز ہے مگر اس کے سرکاری فرائض میں یہ بات شامل نہیں ہے۔ اسلام کا نظام عدل تقاضا کرتا ہے کہ قاضی کے رویئے سے وقار' متانت' بردباری اور تمکنت کا اظہار ہو تاکہ لوگوں کے دلوں میں قاضی کے لیے احترام کے جذبات پیدا ہوں۔ نظام احتساب اس بات کا متقاضی ہے کہ محتسب کے رویئے سے رعب' دبدبہ اور جلال ظاہر ہو تاکہ عوام جرم کرنے سے باز رہیں۔ یہی وجہ

ہے کہ محتسب اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے قوت اور اس کے اظہار کے ذرائع استعمال کر سکتا ہے۔ وہ از خود بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر سکتا ہے۔

محتسب اپنے ذاتی علم کی بناء پر بھی فیصلہ کر سکتا ہے لیکن قاضی اپنے ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قاضی کے فرائض میں ان دعووں کا سننا شامل ہے جہاں دو فریق ہوں اور وہ اپنے حق میں دلائل اور شہادتیں پیش کرتے ہوں۔ مگر محتسب کے فرائض ایسے ہیں جہاں عام طور پر اسے سرکاری نمائندہ بن کر فوری فیصلہ کر کے بعض حالتوں میں از خود نافذ بھی کرنا ہوتا ہے۔ اور ضروری نہیں کہ کسی زیر بحث معاملہ میں دو فریق ہوں، جیسے محتسب بازار کے کسی دکان دار کے پاس کم وزن کے پیمانے پائے تو موقع پر سزا دینے کا مجاز ہے۔

احتساب اور قضاء کا باہمی تعلق

اسلامی تاریخ میں محکمہ قضاء ارتقائی عمل سے گزرا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں قضاء کی جو ہیئت تھی بعد کے ادوار میں تبدیل ہو کر اس نے الگ محکمہ کی شکل اختیار کر لی۔ لیکن قضاء کے بارے میں بنیادی تصورات وہی رہے جو شروع میں تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قاضی اور محکمہ قضاء اسلامی دنیا سے باہر بھی کسی دوسرے نام سے تقریباً انہی فرائض کے ساتھ عملی شکل میں موجود تھا۔ احتساب کے ادارے کو مسلمانوں نے بعد کے ادوار میں قرآن و سنت کے احکام سے بذریعہ استنباط متعارف کرایا۔ مسلمانوں سے قبل دوسری تہذیبوں نے قانون کے نفاذ کے لیے مختلف اسلوب تو وضع کر رکھے تھے لیکن احتساب جیسا حکیمانہ تصور کسی تہذیب کے پاس نہ تھا۔

"حسبہ" کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس کے وظائف (Duties) کی نوعیت بھی بدلتی رہی۔ یحییٰ بن عمر مالکی کی تالیف احکام السوق، تصور احتساب پر لکھی جانے والی قدیم ترین کتاب ہے۔ جس میں حسبہ کا لفظ تو مذکور نہیں ہے البتہ بازار میں شریعت کے نفاذ کے لیے انتظامی نوعیت کی کچھ ہدایات ملتی ہیں۔ اس زمانے میں محتسب کے لیے صاحب السوق یا عامل السوق کے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ بعد کے ادوار میں "حسبہ" کا فریضہ سر انجام دینے والے فقہاء اور عامل السوق یا صاحب السوق کے فرائض یکجا ہوتے رہے، کہیں وہ قاضی کے اختیارات رکھتا تھا، کہیں اس کے پاس پولیس کے اختیارات تھے۔ ایک دور میں محتسب اور صاحب شرطہ (پولیس) الگ الگ تھے۔

اس تاریخی ارتقاء کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قضاء کا نظام، احتساب سے الگ ہے باوجودیکہ دونوں کے فرائض و اختیارات اکثر و بیشتر مقامات پر مشترک ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ احتساب کا محکمہ،

محکمہ قضاء کے ماتحت ہو لیکن یہ بات ریاست کے انتظام سے متعلق عقلی دلیل ہے کوئی شرعی اصول نہیں ہے جس کے لیے باقاعدہ احکام موجود ہوں۔

نظری اعتبار سے ہمیں قضاء اور احتساب کے نظام میں کئی مقامات پر گہرا تعلق نظر آتا ہے۔ ان میں ایک تعلق یہ ہے کہ دونوں کے فرائض میں عوام کے حقوق شامل ہیں۔ ان کے فرائض کے استعمال کی نوعیت مختلف ہے۔ قاضی کسی کا کھویا ہوا حق اسی صورت میں واپس دلا سکتا ہے جب سائل قاضی کے پاس اپنا دعویٰ لے کر آئے۔ محتسب پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ جہاں دیکھتا ہے کہ کسی کی حق تلفی ہو رہی ہے' از خود مداخلت کر کے قانون نافذ کرتا ہے۔ قاضی باعتبار منصب ایسا نہیں کر سکتا۔ دونوں میں کام کی نوعیت کے لحاظ سے فرق نہیں بلکہ طریق کار کے لحاظ سے فرق ہے۔

محکمہ قضاء اور محکمہ احتساب دونوں کو پولیس کی معاونت حاصل ہوتی ہے۔ محتسب اپنی صوابدید پر جب چاہے پولیس کو حکم دے کر مجرم کی سرکوبی یا گرفتاری کے لیے کہہ سکتا ہے۔ قاضی کے لیے پولیس کا یہ استعمال قدرے محدود ہے۔ وہ پولیس کا تعاون وہیں حاصل کرتا ہے جہاں فریقین میں کوئی ایک عدم تعاون کی راہ اختیار کرتے ہوئے عدالتی عمل میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہو۔

محکمہ احتساب کو مکمل عدالتی اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ بعض مقدمات میں مجرم کو گرفتار کر کے عدالت کے سامنے لانا بھی محتسب کے ذمہ ہے۔ یہاں پر وہ عدالت کا معاون ہوتا ہے۔

محکمہ احتساب بعض اعتبار سے انتظامی اختیارات بھی رکھتا ہے جن کے باعث بیشتر جرائم سرسری کارروائی کے بعد ختم کیے جاسکتے ہیں۔ اس لیے محتسب کی ذات سے رعب اور جلال کا مترشح ہونا فطری امر ہے۔ ممکن ہے کہ امن و امان سے تعلق رکھنے والے کئی عدالتی فیصلے کرنے کا اختیار محتسب کے پاس ہو' قاضی کے لیے ایسے فیصلے کرنا قرین مصلحت نہ ہو۔ مثلاً ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کم و بیش محتسب کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ ادھر سیشن جج عدالتی اختیارات رکھتا ہے۔ فرض کیجئے' ایک شہر میں کوئی مذہبی یا سیاسی گروہ جلسے جلوسوں کے ذریعے توڑ پھوڑ اور بدامنی پیدا کر رہا ہو۔ امن و امان بحال رکھنے کے لیے لازمی ہے کہ پولیس کی قیادت مجسٹریٹ کے پاس ہو تاکہ معاملہ حد سے بڑھ جانے کی صورت میں وہ اگر گولی چلانے کا حکم دے' (جس کا مجسٹریٹ مجاز ہے کیونکہ گولی چلنے کے نتیجے میں ہلاک ہونے والے افراد کسی عدالتی فیصلے کا شکار نہیں ہوتے بلکہ مجسٹریٹ نے ایک خاص کیفیت میں فیصلہ کیا ہے جو اس کے برعکس بھی ہو سکتا تھا) تو وہ سیاسی یا مذہبی گروہ توہین عدالت کا مرتکب نہ ہو اور عدالت کا وقار برقرار

رہے۔ یہ کام اگر سیشن جج کے سپرد ہو تو کسی شہر میں مسلسل شورش اور بدامنی کے زمانے میں عدالتی وقار مجروح ہونے کی وجہ سے عدل و انصاف کا نظام تلپٹ ہو سکتا ہے۔

قضاء اور احتساب کے نظام کا گہرا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ دونوں میں گہرا ربط اور تعلق ہے۔ دونوں ایک ہی مقصد کے حصول کے لیے نظام سلطنت کے معاون ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں قاضی کے اختیارات محتسب سے زیادہ ہوتے ہیں، کہیں محتسب قاضی کی معاونت کرتا نظر آتا ہے۔ کسی معاملہ میں قاضی مداخلت نہیں کر سکتا۔ جب کہ محتسب خود آگے بڑھ کر فریقین میں عدل قائم کرتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ قاضی کا رتبہ وقار، تمکنت، تحمل، بردباری اور جلال کی علامت ہوتا ہے اور محتسب مجرموں کے لیے ڈر، خوف اور رعب کی چلتی پھرتی تصویر ہوتا ہے۔

محتسب کی صفات

اسلام کے سیاسی نظام پر لکھی گئی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ محتسب ایک طرف تو موجودہ دور کے تحصیل ہیڈ کوارٹر میں تعینات کسی اسسٹنٹ کمشنر کے انتظامی اختیارات رکھتا ہے تو دوسری طرف اسے تقریباً وہی اختیارات حاصل ہیں جو کسی ڈپٹی مجسٹریٹ کو حاصل ہوتے ہیں۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ کسی بستی میں اذان یا نماز باجماعت نہ ہونے پر اس کا اہتمام بھی کروا سکتا ہے۔ اسی طرح محکمہ انسداد بے رحمی حیوانات کے کسی انسپکٹر کے فرائض ادا کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ کسی جانور پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے پر وہ اس کے مالک کو متنبہ بھی کر سکتا ہے۔ اس لیے محتسب کے ان متنوع اختیارات کو سامنے رکھتے ہوئے فقہائے امت نے اس منصب کے لیے اس میں کچھ صفات کا ہونا لازمی قرار دیا ہے۔ جس شخص میں یہ بنیادی صفات موجود ہوں اور وہ چند دوسری شرائط کو پورا کرتا ہو، مسلم معاشرے میں بطور محتسب مقرر کیا جا سکتا ہے۔

محتسب کے لیے علمائے امت کی مقرر کردہ شرائط اور اس میں پائی جانے والی صفات کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلوبہ شخص بالغ مسلمان ہو جو شریعت کا ضروری علم رکھتا ہو۔ وہ نہ صرف صائب الرائے اور باکردار ہو بلکہ حالات حاضرہ اور اپنے دور کے تقاضوں سے بھی باخبر ہو اور اسے معاشرے میں پائے جانے والے منکرات کا بھی بخوبی علم ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دینی معاملات میں سخت ہو۔ فاسق اور بدکار نہ ہو۔ کاروباری معاملات خصوصاً منڈیوں کے امور اور قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے رجحانات سے واقف ہونا بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محتسب کی راہ نمائی کے لیے متعلقہ پیشوں کے ماہرین فن بھی مقرر کر دیئے جائیں۔ جیسا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں بعد کے

ادوار میں ہوتا رہا ہے۔

محتسب کے لیے مجتہد ہونا کسی بھی عالم نے ضروری قرار نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محتسب کو تفویض کردہ معاملات انتظامی نوعیت کے ہیں۔ اور سرسری سماعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ جن کے لیے گہرا مطالعہ اور مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو محتسب کا مرتبہ قاضی سے قدرے کم ہے۔ اسی لیے یہ عہدہ اسلامی تاریخ میں قاضی کے ماتحت سمجھا جاتا رہا ہے۔

محتسب کا دائرہ اختیار اور ذمہ داریاں

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر مسلمان کا فرض ہے، مگر بعض ایسے معاملات میں جو اسلامی ریاست کے ذمہ ہیں' یہ فرض ادا کرنا دیگر بہت سی وجوہ کی بناء پر اکیلے آدمی کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ اس لیے اس حد تک عام مسلمان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ کسی بازار میں ملاوٹ شدہ اشیاء کھیپ کی صورت میں اچانک آ جائیں تو عام آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ مجرموں کا کھوج لگاتا پھرے۔ کیونکہ اس کے وسائل محدود ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ محتسب کا کام ہے کہ وہ اپنے ذرائع سے مجرموں کا کھوج لگائے اور انہیں قرار واقعی سزا دے۔ اس قسم کی اجتماعی برائی کسی ادارے ہی کے لیے ممکن ہوتی ہے۔ اکیلا آدمی اس کا سدباب نہیں کر سکتا۔

۱۔ نظری اعتبار سے محتسب کے ذمہ دو بنیادی کام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے۔

(۲) وہ لوگوں کو برائی سے روکے۔

۱۔ نیکی کا حکم دینا: نیکی کا حکم دینا تین طرح سے ممکن ہے۔

(ا) کہ وہ لوگوں کو حقوق اللہ ادا کرنے کی تلقین کرے۔ حقوق اللہ کی مزید دو قسمیں ہیں۔

(ا) لوگوں کو اجتماعی امور میں نیکی کا حکم دینا' مثلاً کسی بستی میں نماز کا اہتمام نہ ہونے پر محتسب بستی کے لوگوں کو توجہ دلائے اور نماز باجماعت کے لیے وسائل اکٹھے کر کے اس کا اہتمام کرے۔

(ب) لوگوں کو انفرادی امور میں نیکی کا حکم دینا' جیسے کوئی شخص نماز باجماعت میں تاخیر یا غیر حاضری کو عادت بنا لے تو محتسب اسے توجہ دلا سکتا ہے' مناسب سرزنش کر سکتا ہے لیکن ان سب باتوں کا انحصار امر واقعہ پر ہے۔

(۲) وہ لوگوں کو حقوق العباد ادا کرنے کی تلقین کرے۔ حقوق العباد کی بھی مزید دو قسمیں ہیں۔

(ا) لوگوں کے اجتماعی حقوق کا تحفظ جیسے کسی بستی میں پانی کے کسی بند کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو اور اس سے لوگوں کے جان و مال کو نقصان ہو رہا ہو تو محتسب بستی کے لوگوں کو جبراً بند کی مرمت پر لگا سکتا ہے تاکہ نقصان نہ ہو۔

(ب) کسی خاص فرد کے حقوق کا تحفظ، جیسے کوئی شخص اپنے نوکر سے غیر انسانی سلوک کرتا ہے تو محتسب اسے روک سکتا ہے۔

(۳) امر بالمعروف کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی معاملہ کا ایک پہلو تو حقوق اللہ کا احاطہ کرتا ہو اور دوسرا پہلو حقوق العباد کو ظاہر کر رہا ہو۔ لڑکیوں کے سرپرست بلاوجہ ان کی شادیاں نہ کر رہے ہوں، حالانکہ لڑکیاں شادی کرنا چاہتی ہوں، تو محتسب لڑکیوں کے سرپرستوں کو ان کی شادیاں کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ (غور کیجئے اسلام ایک طرف تو چار دیواری کا مکمل احترام کراتا ہے تو اس کے ساتھ ہی چاردیواری کے اندر کے احوال سے بھی لاتعلق نہیں ہوتا)۔

۲۔ برائی سے روکنا: برائی سے روکنا یعنی نہی عن المنکر کی بھی تین اقسام ہیں۔ جو امر بالمعروف کے ضمن میں بیان کی گئی ہیں۔ مجموعی طور پر کچھ امور مندرجہ ذیل ہیں جن سے محتسب روک سکتا ہے:

۱۔ رمضان المبارک میں بغیر کسی عذر شرعی کے سرعام کھانا پینا۔ آج کل پابندی تو موجود ہے لیکن احتساب کا موثر نظام نہیں ہے۔

۲۔ کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنا۔ اس کے تدارک کے لیے قانون اور نظام تو موجود ہے لیکن احتساب کا عمل بے حد غیر موثر ہے۔

۳۔ کاروباری پیمانوں میں کمی کرنا۔ اس کے لیے بھی قانون اور نظام موجود ہے جس کی گرفت برائی پر بہت کمزور ہے۔

۴۔ بغیر اہلیت کے لوگوں کا علاج کرنا۔ جیسے آج کل رنگا رنگ طریق علاج کے بارے میں دیواروں پر لکھا ہوتا ہے جن پر کسی ادارے کی گرفت نہیں ہے۔

۵۔ طبیبوں کو زہر فروخت کرنے سے روکنا۔ موجودہ دور میں، بغیر طبی نسخے کے دوائیں بیچنے والے کیمسٹ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

۶ - کھانے پینے کی اشیاء کی صفائی کا خیال رکھوانا۔ جس کا شاید ہی کسی سطح پر خیال رکھا جاتا ہو۔

۷ - غیر مرد اور عورت کا علیحدگی میں ملنا۔ جیسے آج کل پارکوں' ریستورانوں اور تفریح گاہوں میں ہوتا ہے۔ درحقیقت اسلامی معاشرت کے بغیر قانونی تصورات کا فہم حاصل کرنا ناممکن ہے۔

۸ - مسافر گاڑیوں میں منظور شدہ تعداد سے زائد مسافر بٹھانا۔

۹ - ذخیرہ اندوزی کرنا۔

اسلامی نظام حکومت پر لکھی جانے والی کتابوں میں کئی اور معاملات بھی تفصیلاً" ذکر کئے گئے ہیں جو محتسب کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ یہاں پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ محتسب صرف ان منکرات کے خلاف قدم اٹھا سکتا ہے جو کھلے عام ہو رہے ہوں یا کوئی شخص اس کے پاس شکایت لے کر آئے۔ رہے وہ منکرات جو گھر کی چاردیواری کے اندر کئے جائیں تو وہ محتسب کے اختیارات سے باہر ہیں۔ ان کے لیے اسلام کا نظام "نظام الدعوۃ والارشاد" ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ اس نظام میں مملکت کے ہر فرد کی ذہنی تربیت کا اہتمام اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اپنے آپ کو اللہ کے سامنے پاتا ہے۔ اس کے باوجود تربیت میں کمی کے باعث' شیطانی خیالات کے غلبہ کی وجہ سے یا نفس کی خواہشات سے مغلوب ہو کر کوئی گھر کی چاردیواری کے اندر احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرے تو وہ اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ ایسے لوگوں کا احتساب قیامت کے روز اللہ خود کرے گا۔ رہا محتسب تو اس کے اختیارات کی حد (Jurisdiction) گھر کے بند دروازے پر ختم ہو جاتی ہے۔

بعض جرائم ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کا وقوع تو گھر کے اندر ہو لیکن ان کا ذکر زبان زد عام پر ہونے کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ کا اندیشہ ہو' تو اس صورت میں محتسب کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایسے جرائم کی بیخ کنی کے لیے اپنی بصیرت کے مطابق کارروائی کرے۔ علی ھذاالقیاس کسی گھر کی چاردیواری میں یقینی طور پر جرم ہو رہا ہو' جیسے وہاں مفرور مجرم چھپے ہوئے ہوں تو بھی محتسب مناسب کارروائی کرنے کا مجاز ہے۔ ان تمام امور کا تعلق کسی اصولی قاعدے سے نہیں بلکہ واقعاتی شواہد سے ہے جن کے مطابق محتسب مناسب انداز میں کام کرتا ہے۔

اسلامی نظام احتساب کا ایک اہم امتیازی وصف

اسلام کا نظام احتساب بنیادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ قائم کرنے کے لیے ہے۔ ایسا معاشرہ جس میں کسی شخص کو انصاف کے حصول کے لیے عدالت میں جانے سے قبل ہی اس کے حقوق مل جائیں۔ جس طرح صاف ستھرے پھلوں کی ٹوکری میں ایک خراب پھل سارے پھل خراب

کر دیتا ہے اور ٹوکری کا مالک اسے نکال کر باقی پھلوں کو خراب ہونے سے بچا لیتا ہے۔ کچھ اسی قسم کا تصور "حسبہ" کے نظام میں بھی ہے۔ حضرت عمرؓ اگر اونٹ پر زیادہ بوجھ لادنے والے شتربان کو متنبہ نہ کرتے تو عین ممکن تھا کہ ظلم بڑھتے بڑھتے دور جاہلیت میں جانوروں پر کئے جانے والے ظلم تک جا پہنچتا جب زندہ اونٹ سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر پکا لیا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ برائی کے جراثیم کسی نہ کسی حد تک ہر فرد میں موجود ہوتے ہیں۔ منڈی میں اگر ملاوٹ والی مرچوں کی فروخت پر سرکاری کارندے حرکت میں نہ آئیں تو دوسرے مرحلے پر آٹے میں بھی ملاوٹ ہو سکتی ہے۔ پھر دودھ میں ملاوٹ تک معاملہ پہنچ سکتا ہے اور جب دیگر پیشوں سے متعلق لوگ دیکھیں کہ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے تو وہ بھی اپنے مزاج اور ضرورت کے مطابق برائی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ اور یوں معاشرے میں ایک تجارت ہی پر کیا موقوف' ہر طرف لا قانونیت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں اور اس کے بعد کم و بیش ہر زمانے اور علاقے کے مسلمان حکمران ہر شہر میں ایک محتسب مقرر کر دیتے تھے۔ تاکہ مخلوق خدا اور عدالت میں قاضی کو طویل 'اعصاب شکن اور بے کار قسم کی مقدمہ بازی سے نجات دلا دیں۔ افراد کے مابین پیدا ہونے والے نزاعات کی غالب تعداد عدالت میں پہنچنے سے قبل ہی ختم ہو جاتی تھی۔ عدالتوں میں صرف وہی مقدمات جاتے تھے جو باقاعدہ سماعت کے متقاضی ہوتے تھے۔ محتسب کی وجہ سے عدالتوں میں جانے والے مقدمات کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا فیصلہ بھی فوری ہوتا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ محتسب ایک ایسے فلٹر کا کام دیتا تھا جہاں سے خاص حجم کے نزاعات ہی آگے عدالتوں میں جا سکتے تھے۔

موجودہ دور میں احتساب کیوں اور کیسے؟

جدید دنیا اپنے مسائل کے لحاظ سے کئی خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ریاستی علوم میں بے پناہ ترقی کے باعث ترقی یافتہ ممالک نے اپنے بہت سے شہری' عمرانی' معاشرتی اور سیاسی مسائل ایک خاص دائرے میں رہتے ہوئے حل کر لیے ہیں۔ لیکن بعض فکری کجیوں کے باعث ان معاشروں میں کئی دوسرے میدانوں میں بگاڑ کی قوتیں بھی برداشت کی حدود کو پھلانگ چکی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو ایمان نہ ہونے کے باعث امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے سے پہلو تہی ہے۔ یہ ترقی یافتہ ممالک اپنی فکر کی تعمیر دینی اساس پر نہیں کرتے اس لیے موجودہ دور میں احتساب کی بحث لادین ریاستوں کے حوالے سے بے معنی ہے۔

جہاں تک اسلامی ممالک خاص طور پر پاکستان میں احتساب کا تعلق ہے تو سرسری مطالعہ ہی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ احتساب کا عمل نہ تو اتنا خوفناک اور لرزہ خیز ہے کہ "جدید دنیا" اسے ناپسندیدہ نام دے سکے اور نہ

ایسا پیچیدہ عمل ہے جس کے لیے کسی بے پناہ ریاضت کی ضرورت ہو۔ ابتداء ہی میں یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ احتساب کا نام یا اصطلاح استعمال کیے بغیر بھی یہ عمل پاکستانی معاشرے میں بہت سی سطحوں پر جاری ہے۔ مثلاً

۱۔ اسلامی تاریخ میں احتساب کا عمل ابتدا ناپ تول کے لیے استعمال ہونے والے پیمانوں کی جانچ پڑتال اور ملاوٹ کی روک تھام سے شروع ہوا جس کے لیے ایک عامل مقرر ہوتا تھا۔ آج بھی یہ دونوں فرائض ادا کیے جاتے ہیں۔ ناپ تول کے پیمانوں کی جانچ کے لیے کہیں مقامی بلدیاتی ادارے یہ کام کرتے ہیں۔ اور بڑی منڈیوں میں وزارت تجارت کے کسی ماتحت محکمہ کے انسپکٹر اس کام پر مامور ہیں۔ ملاوٹ کے تدارک کے لیے بعض امور بلدیاتی اداروں کے عمال طے کرتے ہیں۔ کئی معاملات محکمہ صحت کے اہل کار نمٹاتے ہیں۔

۲۔ کئی موسموں میں جنگلی حیوانات اور پرندوں کا شکار منع ہوتا ہے۔ بعض علاقوں میں سرے سے شکار ہی ممنوع ہوتا ہے جس کی خلاف ورزی پر جنگلی زندگی کے تحفظ کا ذمہ دار محکمہ حرکت میں آتا ہے اور وہ احتسابی عمل کے ذریعے سزا دیتا ہے۔

۳۔ بلدیاتی ادارے اپنی مقررہ حدود میں داخلے پر یا خارج ہونے پر بعض اشیاء پر ٹیکس عائد کرتے ہیں۔ نادہندگان کو سرسری سماعت کے بعد گیارہ گنا تک جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے جو احتساب ہی کی ایک شکل ہے۔

۴۔ لاغر، ضعیف اور طبی لحاظ سے ناکارہ جانوروں کا گوشت فروخت کرنا بھی ایک جرم ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والے قصاب مقامی ہسپتال کے ڈاکٹر کے احتسابی شکنجے میں آتے ہیں۔

۵۔ تیز رفتاری، غلط پارکنگ، اہلیت نہ رکھتے ہوئے گاڑی چلانا، شرائط پوری نہ کرتے ہوئے گاڑی کو سڑک پر لانا، اور ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر ابتدائی طور پر معمولی ٹریفک اہل کار ڈرائیونگ لائسنس اور گاڑی کی رجسٹریشن ضبط کرتے ہوئے احتساب کرتا ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا اس کا کوئی نمائندہ اس احتسابی عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔

۶۔ تہذیب اور شائستگی کے منافی فلموں کا احتساب ابتدائی طور پر سنسر بورڈ کرتا ہے۔ اس کے بعد فلم یا سینما میں کسی بے ضابطگی کا ارتکاب کرنے والے سینما مالک کا احتساب پولیس کرتی ہے۔

۷۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو لائسنس نہ رکھنے والوں پر متعلقہ محکمے اپنے انسپکٹروں کے ذریعے جرمانے عائد

کر کے لائسنس بنوانے پر مجبور کرتے ہیں۔

۸ - منظور شدہ نقشے سے ہٹ کر مکانات اور دوسری عمارات تعمیر کرنے پر بلدیاتی اداروں کے انسپکٹر متعلقہ شخص کا احتساب کرتے ہیں۔

۹ - انتخابی عمل میں حصہ لینے والے امیدوار ایک خاص حد تک رقم خرچ کر سکتے ہیں۔ خلاف ورزی پر الیکشن کمیشن مناسب کارروائی کرنے کا مجاز ہے جو احتساب ہی کی ایک شکل ہے۔

۱۰ - امتحانی مراکز میں نقل کا ارتکاب کرنے والوں کو عملے کے مجاز افسران امتحانی عمل سے خارج کرنے کے ساتھ ساتھ ایک خاص مدت کے لیے امتحان میں بیٹھنے کے لیے نا اہل قرار دے سکتے ہیں جو احتسابی عمل ہی ہے۔

۱۱ - جنگلات کی نشوونما اور ترقی کے لیے بعض علاقوں میں اپنا ذاتی درخت کاٹنے کے لیے بھی محکمہ جنگلات سے تحریری اجازت درکار ہوتی ہے۔ اجازت کے بغیر درخت کاٹنے پر محکمہ جنگلات کے اہل کار جرمانہ عائد کر سکتے ہیں۔ یہ بھی احتساب ہی کی ایک صورت ہے۔

۱۲ - صنعتی پیداوار کا معیار ایک خاص سطح پر رکھنے کے لیے ایک ادارہ قائم ہے۔ جس کے طے شدہ معیار سے کم تر معیار کی اشیاء بازار میں لانے پر یہ ادارہ متعلقہ صنعتی ادارے پر احتسابی گرفت کر سکتا ہے۔

۱۳ - مسلح افواج کا احتسابی نظام اس کے جوانوں اور افسران پر لاگو ہوتا ہے۔

۱۴ - احتساب کی یہ مثالیں اس احتساب کے علاوہ ہیں جو محکمہ پولیس یا قانون نافذ کرنے والے دوسرے ادارے احتساب کے لیے اختیار رکھتے ہیں۔

۱۵ - اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کے احتساب کے لیے "سپریم جوڈیشل کونسل" نام کا ایک آئینی ادارہ ہے جو مکمل عدالتی اختیارات رکھتا ہے۔ اس کے ارکان بھی اعلیٰ عدالتوں کے جج ہوتے ہیں۔ اس ادارے کی ترکیب سے اس کا بحیثیت عدالت وجود ثابت ہوتا ہے لیکن یہ ادارہ ایک خاص طبقہ کو سامنے رکھتے ہوئے وضع کیا گیا ہے۔ اس پہلو سے یہ ادارہ اس خاص طبقے کے لیے عدالت کے ساتھ ساتھ احتسابی خصوصیت کا حامل بھی ہے۔

۱۶ - صدر مملکت کے لیے احتساب کا طریقہ بھی آئین میں مذکور ہے۔ جس کے مطابق صدر کا

مواخذہ (Impeachment) کیا جا سکتا ہے۔ اس نوع کے احتساب کے لیے وطن عزیز کی مجلس شوریٰ بااختیار ہے۔

۱۷۔وفاقی سطح پر قائم بعض محکموں کے سرکاری فیصلوں سے عام آدمی کے مفادات کو زک پہنچے تو اس کی داد رسی کے لیے وفاقی محتسب کا ادارہ قائم ہے۔ یہ ادارہ ۲۴ جنوری ۱۹۸۳ء کے صدارتی فرمان نمبر۱ کے تحت قائم کیا گیا[۹]۔ یہ ادارہ بعض سرکاری محکموں میں بادی النظر میں پائی جانے والی بے ضابطگیوں کے معاملات میں کسی متضرر (Victim) شخص کی شکایت پر کارروائی کرنے کا مجاز ہے۔ وفاقی محتسب کی سالانہ رپورٹ برائے ۱۹۸۴ء کے مطابق ان محکموں کی تعداد ۴۵۵ ہے۔ خارجہ معاملات' مسلح افواج اور محکمہ دفاع کے ساتھ ساتھ وہ معاملات بھی وفاقی محتسب کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں جو فی الوقت کسی عدالت میں زیر سماعت ہوں۔ وفاقی محتسب سے داد رسی حاصل کرنے کا طریقہ ازحد آسان ہے۔ یہاں کسی عدالتی فیس' سرکاری خرچ یا وکیل کی ضرورت نہیں۔ سادہ کاغذ پر مکمل کوائف کے ساتھ موزوں الفاظ میں بنام وفاقی محتسب شکایت کی جاسکتی ہے۔ وفاقی محتسب کی عدالت میں زیر سماعت مقدمات مشہور قانونی اصول (Res Judicata) کی زد میں بھی نہیں آتے۔

مذکورہ صدارتی فرمان' جس کے تحت ادارے کا قیام عمل میں آیا' کی دفعہ ۱۴ کے تحت وفاقی محتسب کو وہی اختیارات حاصل ہیں جو مجموعہ ضابطہ دیوانی ایکٹ نمبر۵ مجریہ ۱۹۰۸ء کے تحت کسی دیوانی عدالت کو حاصل ہیں جس کے مطابق عدالت کسی بھی شخص کو طلب کرسکتی ہے۔ اور ضرورت پڑے تو اسے جبراً حاضر ہونے پر مجبور بھی کر سکتی ہے تاکہ اس کا حلفیہ بیان لیا جاسکے۔ اسے یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ متعلقہ شخص کو دستاویزات پیش کرنے' حلف ناموں پر شہادت لینے اور گواہوں کے بیانات حاصل کرنے کے لیے کمیشن جاری کرے۔ دفعہ ۱۵ کے تحت وہ کسی مکان یا عمارت کی تلاشی لینے کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ دفعہ ۱۶ کے تحت حاصل ہونے والے اختیارات کو اپنے حق میں استعمال کر سکتا ہے۔

۱۸ ۔ یہ یقین کرنے کے لیے کہ سرکاری محکموں کے فنڈ درست طریقہ سے خرچ کیے جارہے ہیں آئین پاکستان میں آڈیٹر جنرل کا عہدہ وضع کیا گیاہے جس کے ماتحت مزید احتسابی عملہ ہے۔ یہ بھی احتسابی عمل ہی کی ایک شکل ہے۔

۱۹ ـ مجلس شوریٰ (Parliament) کے اراکین پر مشتمل پبلک اکاؤنٹس کمیٹی نام کا ایک ادارہ بھی دستوری طور پر قائم ہے جو سرکاری محکموں کے حسابات کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔

۲۰ـ وزیراعظم کا معائنہ کمیشن بھی احتساب ہی کے لیے قائم ہے۔

۲۱ ـ سیاستدانوں کے احتساب کے لیے بھی ۱۹۷۷ء کا قانون موجود ہے جس کے تحت ارکان پارلیمنٹ اور دوسرے منتخب عہدے داروں کا احتساب ممکن ہے۔

۲۲ ـ سرکاری ملازمین کی کارکردگی اور نظم و ضبط کے لیے قوانین موجود ہیں جن کے نفاذ کا اختیار متعلقہ محکمہ کے افسران کے پاس ہوتا ہے۔

چند تبدیلیوں کی ضرورت

ان مثالوں سے ہمیں ایسی باتیں ملتی ہیں جن پر غور کر کے معاشرے کو فساد سے پاک کرنے کے لیے بعض موثر اقدام کی ضرورت ہے۔ اس طرح موجودہ احتسابی عمل نہ صرف بہترین انداز میں چلایا جا سکتا ہے بلکہ جہاں خلا ہے، مناسب توجہ کے بعد اس کو بھی پر کیا جاسکتا ہے۔

پبلک اکاؤنٹس کمیٹی، وزیراعظم کا معائنہ کمیشن، آڈیٹر جنرل، مجلس شوریٰ کا صدر کا مواخذہ کرنا، سپریم جوڈیشل کونسل اور فلم سنسر بورڈ وغیرہ کے طریق کار پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ ادارے دو طرح کے ہیں۔ پہلی قسم میں وہ ادارے آتے ہیں جو ایک ہی کام مختلف انداز میں کرنے کے لیے قائم ہیں تاکہ احتساب کی گرفت مکمل اور ہمہ گیر ہو اور قانون میں سقم رہ جانے، انسانی کوششوں میں کوتاہی کے باعث یا کہیں اجتماعی بگاڑ کی صورت میں کسی ایک احتسابی ادارے کی نظروں سے کوئی چیز چھپی رہ گئی ہو تو دوسرا اس کمی کو پورا کرے۔ ان اداروں میں آڈیٹر جنرل، پبلک اکاؤنٹس کمیٹی اور وزیراعظم کے معائنہ کمیشن شامل ہیں۔ یہ ادارے مفاد عامہ کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ دوسری قسم کے ادارے وہ ہیں جو کسی مخصوص شخص یا ادارے کا احتساب کرنے پر مامور ہیں جیسے سپریم جوڈیشل کونسل کا ججوں کا احتساب کرنا، مجلس شوریٰ کا صدر کا مواخذہ کرنا اور فلم سنسر بورڈ وغیرہ۔

لیکن مذکورہ بالا تمام طرح کے احتساب دستوری طور پر مسلمہ اسلامی ریاست کے اس بنیادی اور اساسی نظریہ کے ساتھ مکمل اور کماحقہ مطابقت نہیں رکھتے جسے شارع (Lawgiver) نے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی متبرک اصطلاح سے موسوم کیا ہے۔ ذرا غور کریں تو ان تمام مثالوں میں ہمیں وہی احتسابی طریق کار اور روح نظر آتی ہے جو کسی بھی غیر اسلامی یا لادینی فکر کی حامل ریاست میں ہو سکتی ہے۔ کون سا ملک ہے جہاں سرکاری فنڈ کو بہترین

طریقہ سے خرچ کرنے کے لیے مختلف احتسابی طریقے وضع نہ کیے جاتے ہوں؟ ہر ملک کے دستور میں صدر کے مواخذہ کے لیے کم وبیش کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ اشیائے صرف پر درآمدی و برآمدی ٹیکس کے نادہندگان کو گیارہ گنا جرمانہ عائد کرنے والا خود جرمانہ وصول کرتا ہے۔ حکومت کے خزانے میں یہ جرمانہ جمع نہیں ہوتا۔ جنگلات کے غیر قانونی کٹاؤ کے لیے محکمہ جنگلات کے ملازمین جس طرح کا احتساب کرتے ہیں وہ سراسر اپنے محکمے سے ان کی وابستگی ظاہر کرتا ہے۔ ٹیلی ویژن کے انسپکٹر لائسنس نہ رکھنے والوں کو جرمانہ کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر اپنے محکمے کے لیے زیادہ سے زیادہ فنڈ کا حصول رہتا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ اس احتسابی عمل کو تبدیل کیا جائے۔ ٹیلی ویژن کا لائسنس نہ رکھنا اگر غیر قانونی ہے تو اس قانون پر عمل درآمد کرانے اور تادیبی کارروائی کرنے کے لیے کسی ایسے انسپکٹر کو مقرر کیا جائے جو محکمہ احتساب سے متعلق ہو۔ جنگلات کی غیرقانونی کٹائی روکنا ملکی معیشت کے لیے یقیناً ضروری ہے لیکن یہ رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے محکمہ جنگلات کے کسی فرد کی بجائے محکمہ احتساب کے کسی ذمہ دار اہل کار کو مقرر کیا جائے تاکہ جنگلات کے تحفظ کے ساتھ افراد کے حقوق کا تحفظ بھی یقینی ہو۔

پس ضروری ہے کہ مخصوص اداروں، جیسے سپریم جوڈیشل کونسل، وزیراعظم کا معائنہ کمیشن، پبلک اکاؤنٹس کمیٹی، مجلس شوریٰ کا صدر کا مواخذہ کرنا اور آڈیٹر جنرل وغیرہ کو چھوڑ کر باقی تمام احتساب کسی ایک بااختیار ادارے کے ذمہ ہوں، اور یہ ادارہ اتنا بااختیار ہو کہ اس کے سامنے کوئی بھی شخص خصوصی استحقاق نہ رکھتا ہو۔ صدر مملکت سے لے کر ہر شخص اس کے سامنے جواب دہی کے لیے طلب کیا جا سکتا ہو۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کے لیے البتہ سپریم جوڈیشل کونسل ہی مناسب ہے۔ لیکن اگر کسی اعلیٰ عدالت کے جج سے کوئی ایسی کوتاہی سرزد ہو جائے جو اس نے بحیثیت جج کے نہیں، بلکہ عام شہری کی حیثیت میں کی ہو، جیسے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی، تو وہ بھی عام شہری کی طرح احتسابی گرفت میں لایا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ابتدائی ڈھانچہ موجود ہے جو وفاقی محتسب کے نام سے معروف ہے۔ اس ادارے کو اتنا بااختیار بنایا جائے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے وہ تمام اختیارات، جو احتساب کے لیے ضروری ہیں، کسی دوسرے شخص کو تفویض کر کے اس شخص کو وفاقی محتسب کے ماتحت کر دیا جائے۔ منڈیوں میں ناپ تول کے پیمانوں کی پڑتال، ملاوٹ کی روک تھام، بازار میں بکنے والے گوشت کا معائنہ یہ سب امور محتسب کے ادارے کے پاس امربالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول کے تحت ہوں۔ تاکہ یہ ادارہ انتظامی کے ساتھ ساتھ نظریاتی بھی ہو جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ خصوصی نوعیت کے بعض اداروں کو چھوڑ کر باقی تمام احتسابی اداروں میں کسی ربط کی نشان دہی نہیں ہوتی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ احتساب کا عمل پورے ملک میں مربوط ہے۔ ہر ادارے کے تحت کیے جانے والے احتساب کی نوعیت خصوصی اور جداگانہ ہے۔ دوسری کسی نوع کے احتساب کا کوئی تعلق نہ تو اس ادارے سے ہے اور نہ دونوں اداروں میں ربط ہے۔ ہر محکمہ کے اہل کار اپنے اپنے افسران کو جواب دہ ہیں جس سے یہ تاثر سامنے آتا ہے کہ یہ احتسابی عمل، عدالتی یا نیم عدالتی کی بجائے خالصتاً انتظامی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام ادارے اپنی اپنی احتسابی ضروریات ازخود پوری نہ کریں بلکہ اس مقصد کے لیے الگ سے کوئی ادارہ ہو جس کی مختلف شاخیں مختلف قسم کے احتساب کے لیے قائم ہوں۔ ان میں مختلف پیشوں کے ماہرین ہوں۔ بازار میں بکنے والے گوشت کے معائنے کے لیے یقیناً ڈاکٹر ہی اہل ترین شخص ہے۔ لیکن ڈاکٹر اپنی ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لیے حکومت کو جواب دہ ہونے کی بجائے وفاقی محتسب کو جواب دہ ہو تو انصاف کے تقاضے زیادہ بہتر انداز میں پورے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح فلموں کے سنسر کے لیے سینٹرل بورڈ آف فلم سنسرز نام کا ادارہ کلچر اینڈ اسپورٹس افیئر ڈویژن کے ماتحت کام کرتا ہے۔ بورڈ کی تشکیل یہی ڈویژن کرتا ہے اس طرح اخلاق عامہ کی حفاظت کا ذمہ کلچر ڈویژن کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ اخلاق عامہ کا تعلق تعلیم یا مذہب سے تو ہو سکتا ہے کلچر سے نہیں۔ کیونکہ اخلاق عامہ کی حفاظت وہی ادارہ بہتر طور پر کر سکتا ہے جو خود اخلاق عامہ کی حفاظت کے لیے کام کر رہا ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مناسب غور و خوض کے بعد وفاقی محتسب کے ادارے کو زیادہ اختیارات دے کر اسے فعال بنایا جائے۔

مزید مطالعے کے لیے

اس باب میں احتساب کے بارے میں کچھ تصورات مختصراً پیش کیے گئے۔ تفصیل سے پڑھنے کے خواہش مند حضرات مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

۱۔ ادب القاضی، محمود احمد غازی، اسلام آباد۔

۲۔ دائرۃ المعارف، ذیلی عنوان "حسبہ" پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

۳۔ اسلام میں پولیس اور احتساب کا نظام، ساجد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، لاہور۔

۴۔ احکام سلطانیہ، ماوردی، اردو ترجمہ لاہور سے چھپا ہے۔

۵۔ احیاء علوم الدین، غزالی (اردو ترجمہ) کراچی۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ بخاری: کتاب النکاح، باب لزوجک علیک حق۔

۲۔ بخاری: حوالہ ایضاً۔

۳۔ مسلم: الصحیح، کتاب الایمان۔

۴۔ مسلم: الصحیح، کتاب الایمان۔

۵۔ ابن قیم جوزیہ: **الطرق الحکمیة فی السیاسیة الشرعیة**، قاہرہ، مطبعہ السنہ المحمدیہ، ۱۹۵۳ء، ص ۱۶۔

۶۔ شبلی: الفاروق، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص ۳۱۷۔

۷۔ ابو یوسف: کتاب الخراج، ترجمہ، اسلام کا نظام محاصل، محمد نجات اللہ صدیقی، کراچی، مکتبہ چراغ راہ، ۱۹۶۶ء، ص ۳۶۸۔

۸۔ ابو یوسف: کتاب الخراج، حوالہ ایضاً، ص ۳۷۰۔

۹۔ The Establishment of the office of Wafaqi Mohtasib (Ombudsman) Order 1983 (P.O 1 of 1983)

مصادر و مراجع

۱۔ ابن قیم جوزیہ: محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ (۷۹۱ھ) **الطرق الحکمیة فی السیاسیة الشرعیة** قاہرہ، مطبعۃ السنہ المحمدیہ، ۱۹۵۳ء

۲۔ ابو یوسف: **یعقوب** بن ابراہیم (۱۸۲ھ) "کتاب الخراج" اردو ترجمہ، **اسلام کا نظام محاصل**، **محمد نجات اللہ صدیقی**، کراچی، مکتبہ چراغ راہ، ۱۹۶۶ء

۳۔ بخاری: **محمد** بن اسمٰعیل بن ابراہیم (۲۵۶ھ) **الجامع الصحیح** استنبول، دارالطباعۃ العامرہ

۴۔ شبلی نعمانی: **محمد** شبلی (۱۹۱۴ء)، "الفاروق" لاہور، مکتبہ رحمانیہ

۵۔ مسلم: مسلم بن الحجاج (۲۶۱ھ) **صحیح مسلم** استنبول، دارالدعوۃ، ۱۴۰۱ھ

۶۔ The Establishment of the office of Wafaqi Mohtasib (Ombudsman) Order 1983 (P.O. 1 of 1983)

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

۱۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ اول۔قرآن

۲۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ دوم۔سنت

۳۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ سوم۔اجماع

۴۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ چہارم۔قیاس

۵۔ اجتہاد کی تعریف

۶۔ اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار

۷۔ دینی مسائل میں اختلاف، اسباب اور ان کا حل

۸۔ اسلام کا قانون نکاح وطلاق

۹۔ اسلام کا قانون وراثت و وصیت

۱۰۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ

۱۱۔ اسلام کا تصور ملکیت و مال

۱۲۔ اسلام کا تصور معاہدہ

۱۳۔ اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور

۱۴۔ مزارعت اور مساقات

۱۵۔ اسلام کا نظام محاصل

۱۶۔ اسلام کا نظام مصارف

۱۷۔ اسلام میں عدل وقضاء کا تصور

۱۸۔ اسلام کا نظام احتساب

۱۹۔ اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور

۲۰۔ اسلام کا تصور جرم وسزا

۲۱۔ اسلام کا فوجداری قانون

۲۲۔ اسلام کا دستوری قانون

۲۳۔ اسلام کا قانون بین الممالک

۲۴۔ اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری